

اکابر اہل سنت کی تصانیف میں تدریس و تدریس

پروفیسر سعید نفیسی کی رائے

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنے دعوے کو ثابت کرنے سے پہلے مشہور ایرانی محقق اور فاضل پروفیسر سعید نفیسی کی تصنیف ”جستجو در احوال و آثار فرید الدین عطار نیشاپوری“ سے چند اقتباسات ہدیہ ناظرین کروں۔ موصوف لکھتے ہیں:

”ابو اسحاق محمد بن عارف عطار نیشاپوریؒ (متوفی ۶۸۱ھ) کو آغاز ہی سے انہیں ایران میں اپنے پیرو کثیر تعداد میں مل گئے۔ دراصل اسلامی فرقوں کی تائیس کا سہرا ایرانیوں کے سر ہے۔ اس کی دلیل بالکل واضح اور روشن ہے۔ ایرانی باشندے عربوں کے تسلط سے پہلے بارہ سو سال تک دنیا میں بڑے جاہ و جلال کے ساتھ زندگی بسر کرتے چلے آ رہے تھے اس لئے انہیں اپنے اوپر خلفائے دمشق یا خلفائے بغداد کی حکمرانی کسی طرح پسند یا گوارا نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ہر ایرانی ایک اصول اپنی طرف سے وضع کرتا تھا اور ایک گروہ اس کا ہم نوا بن جاتا تھا اور یہ سلسلہ نویں صدی تک جاری رہا۔“

پانچویں صدی تک بیشتر اہل ایران حنفی تھے یا شافعی تھے۔ طبرستان میں زیدیہ فرقہ اکثریت میں تھا۔ سبزوار کے علاقے میں شیعہ جعفریہ کا غلبہ تھا۔ قزوین میں اسماعیلیہ کا زور تھا۔ کرامیہ فرقہ جنوبی خراسان میں معروف تھا۔ صوفیہ اپنے آپ کو ان فرقوں سے مافوق سمجھتے تھے اور کسی کی مخالفت نہیں کرتے تھے۔ مشہور صوفی عبداللہ انصاری حنبلی تھے۔ ان کے علاوہ چھٹی صدی تک تمام صوفیہ حنفی تھے۔“

مؤلف ”مجالس المؤمنین“ نے جو شیعہ تراشی میں مشہور ہے ”عطار“ کو شیعہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور دلیل میں وہ اشعار پیش کئے ہیں جو انہوں نے علی بن ابی طالب کی منقبت میں لکھے ہیں۔ حالانکہ انہوں نے ”ہر چہار یار“ کی

مدح کی ہے اور دونوں گروہوں کے تعصب کا رد کیا ہے۔ طہران میں عطار کی بعض مثنویوں میں سے پہلے تین خلفاء کے مناقب کو اسی لئے حذف کر دیا گیا ہے۔ ایرانی شیعہ دورہ صفویہ سے پہلے تینوں خلفاء کی شان میں بدزبانی نہیں کرتے تھے۔ عطار نے ہر مثنوی میں چار یا ر کی مدح کی ہے۔ اگرچہ موجودہ نسخوں میں مدح خلفاء کو حذف کر دیا گیا ہے، مگر قلمی نسخوں میں مدح موجود ہے۔ مثلاً اسرارِ زمانہ میں مرقوم ہے:

سپر صدق را خورشید انور امیر المؤمنین صدیق اکبر
شریعت را نخستین قرۃ العین رفیق مصطفیٰ و ثانی اثین
قلمی نسخے میں ایک شعریوں ہے:

سوار دین سپر علم پیہر شجاع شرع و صاحب حوض کوثر
لیکن طہران کے مخطوطے میں اسے اس طرح تبدیل کیا گیا ہے:
خصوص آں وارث دین پیہر چراغ شرع و صاحب حوض کوثر

مصیبت نامہ عطار کے قلمی نسخے میں یہ اشعار موجود ہیں:

تا نبی صدیق را محرم گرفت صبح صادق جملہ عالم گرفت
مردہ ای کہ می رود بروئے خاک ہست از قول نبی صدیق پاک
مدح صدیقی میں ۲۷ اشعار ہیں، مدح فاروقی میں ۲۲ اشعار ہیں، مدح عثمانی میں ۲۷ اشعار ہیں۔ لیکن اسی مصیبت نامہ کا جوائڈیشن ۱۳۵۴ء میں طہران سے شائع ہوا ہے اس میں ان کو حذف کر دیا گیا ہے۔

حالانکہ اس میں شک نہیں ہے کہ عطار سلسلہ کبیرویہ سے متعلق تھے اور شیخ نجم الدین کبریٰ کے معتقد تھے۔ (اہل سنت میں سے تھے نہ کہ شیعہ)

عطار سے ۶۶ کتابیں منسوب ہیں، لیکن ان میں سے صرف دس کتابیں ان کی مصنفہ ہیں:

خسرو نامہ، مختار نامہ، اسرار نامہ، مصیبت نامہ، دیوان، جواہر نامہ، شرح القلب، الہی نامہ، چند نامہ اور منطق الطیر۔

جو کتابیں ان سے منسوب ہیں ان میں سے ایک کتاب کا نام جواہر الذات ہے۔ یہ کتاب ۱۳۵۵ھ میں طہران سے شائع ہوئی تھی، لیکن اس کتاب کے

مصنف نے اکثر مقامات پر ”اظہار تشیع“ کیا ہے اس لئے کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ یہ کتاب عطار کی تصنیف ہو۔ اسی طرح حلاج نامہ بھی عطار کی تصنیف نہیں ہے۔ تیسری کتاب جو عطار سے منسوب ہے اس کا نام سی فصل ہے۔ ”گویندہ“ اس کتاب ہم شیعہ بودہ“ اس کتاب کے ایک شعر سے ثابت ہے کہ اس کا مصنف وہی ہے جس نے جواہر الذات لکھی ہے۔ وہ شعر یہ ہے:

جواہر ذات کفتم ایں معانی تو می باید کہ ایں معنی بدانی
لسان الغیب بھی ان کی تصنیف نہیں ہے کیونکہ اس میں یہ اشعار مندرج ہیں:

شیعہ پاک است عطار اے پسر جنس ایں شیعہ بجان خود بخیر
ماز فاروق (۱۸) التجا بر کندہ ایم پے ز نورین (۱۹) شما بربیدہ ایم

پروفیسر نفیسی نے آخر میں یہ فیصلہ صادر کیا ہے:

دور صورت یک بودی لے نیست کہ مردے بودہ است جعال در قرن نہم کہ خود را

فرید الدین عطار کی خواند و در مشہدی زیست و چندیں کتب ست و بے مغز مانند
اشتر نامہ، بلبل نامہ، جواہر الذات، حلاج نامہ، خیاط نامہ، کنز الاسرار، لسان الغیب،
مظہر العجائب ساختہ کہ پنج وجہ از فرید الدین عطار نیشاپوری نیست“ (ص ۱۶۶)

جونہ جواہر الذات کا میری نظر سے گزرا ہے اس میں سے صرف دو شعر ذیل میں
درج کرتا ہوں جن سے پوری کتاب کا اندازہ ہو جائے گا۔ اور یہ بات بھی واضح
ہو جائے گی کہ یہ شعر حضرت شیخ فرید الدین عطار نیشاپوریؒ اپنے قلم سے ہرگز نہیں لکھ
سکتے تھے:

محمد را شناس ایں جا خدا تو و گرنہ او فقی اندر بلا تو

علی با مصطفیٰ ہر دو خدایند کہ دم دم راز بر مای کشایند

ان شعروں کے مضمون سے صاف ظاہر ہے کہ ان کا کہنے والا عبد اللہ بن سباء کا
مخلص پیرو تھا اور طائفہ ضالہ یا قرامطہ سے تعلق رکھتا تھا۔

میں نے پروفیسر سعید نفیسی کی محققانہ تصنیف سے یہ اقتباسات اس لئے درج کئے

ہیں کہ ناظرین پر یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ:

(۱) قرامطہ نے صوفی بن کر اپنے عقائد باطلہ کو اسلامی تصوف کے ساتھ اس طرح مخلط کر دیا کہ عوام کے لئے امتیاز بین الحق والباطل ناممکن ہو گیا۔

(۲) تصوف کے نام سے عامۃ المسلمین میں اپنے عقائد شائع کر دیئے اور شیخ طریقت بن کر ان عقائد کو دن رات اپنی مجلسوں میں بیان کر کے جاہل اور سادہ لوح اہل سنت کے دل و دماغ میں اس طرح پیوست کر دیا کہ وہ ان کی جذباتی، اخلاقی اور روحانی زندگی کا جزو لاینفک بن کر رہ گئے۔ چنانچہ وہ ہر مصیبت کے وقت اللہ کے بجائے کسی غیر اللہ ہی کو پکارتے ہیں۔ ان کی زبان پر بے ساختہ کسی اپنے ہی جیسے عاجز اور فانی انسان کا نام آ جاتا ہے۔ حالانکہ تصوف نام ہی ہے نقش غیر کو لوح دل سے مٹا دینے کا۔

سوی اللہ واللہ مافی الوجود غیر نقشبندیہ rasailojaraid.

کل مافی الکون وہم او خیال او عکس فی المرایا او ظلال

(۳) اسلام کے ان دشمنوں نے تصوف کی مشہور کتابوں میں اپنے عقائد شامل کر دیئے اور جہاں موقع ملا اسلامی عقائد کو حذف کر دیا۔

(۴) مشہور صوفیوں کے نام کا ناجائز استعمال کیا، یعنی کتابیں خود لکھیں مگر انہیں اہل سنت کے مستند مشائخ روحانی سے منسوب کر دیا۔

(۵) تقیہ کی بدولت عوام اور خواص دونوں کو مدتوں تک مغالطے میں رکھا۔

کامیابی اور غیر معمولی کامیابی اس لئے ہوئی کہ مرید مسلوب الارادہ ہوتا ہے۔ یہاں تک تو ٹھیک ہے کہ مرید اللہ تک پہنچنے کے لئے وہی طریق اختیار کرے جو اس کا شیخ اسے بتائے، جس طرح کسی دنیاوی فن مثلاً موسیقی، مصوری، خطاطی، سنگ تراشی وغیرہ میں کمال حاصل کرنے کے لئے شاگرد وہی طریق کار اختیار کرتا ہے جو اس کا استاد اسے بتاتا ہے، لیکن تصوف کی دنیا میں رفتہ رفتہ ایک غلطی عام ہو گئی جس کی وجہ سے تصوف بھی بدنام ہو گیا اور صوفیوں میں شخصیت پرستی بھی راہ پا گئی۔ وہ غلطی یہ تھی کہ بعض جاہل مریدوں نے یہ سمجھ لیا کہ اس راہ میں مرید کو مسلوب الارادہ ہو جانے کے ساتھ

ساتھ مسلوب العقل بھی ہو جانا چاہئے۔ اسی عقل و فہم سے بے گانہ ہو جانے کا یہ نتیجہ نکلا کہ تصوف کی کتابوں میں اور مشائخ کے ملفوظات میں جو خلاف شرع اور خلاف عقل باتیں دشمنان اسلام کی تدسیس و تحریف و تدلیس سے داخل ہو گئی ہیں، کوئی شخص نہ ان کی تغلیط و تکذیب کی جرأت کرتا ہے نہ انہیں ان کتابوں سے خارج کرنے کا خیال دل میں لاسکتا ہے۔ یہ ہے وہ تقلید کو ریا اندھی عقیدت جس نے تصوف کو بھی بدنام کیا اور مسلمانوں کی عقلی زندگی کو بھی مفلوج کر دیا۔ ع

آہ محکومی و تقلید و زوال تحقیق !

گزشتہ بیس سال میں تصوف کی جس قدر کتابیں نظر سے گزریں اکثر و بیشتر کتابوں میں ایسی روایات موجود پائیں جو نہ عقلاً صحیح ہیں نہ عقلاً، بلکہ ان کی لغویت اظہر من الشمس ہے۔ چنانچہ اس کی متعدد مثالیں درج کی جائیں گی۔ اس موقع پر میں اس حقیقت کے اظہار سے باز نہیں رہ سکتا کہ دشمنان اسلام نے کتب تصوف کے علاوہ مسلمانوں کے مذہبی ادب کے ہر شعبے میں اپنے عقائد شامل کر دیئے ہیں اور اسلام کی تاریخ کو تو خاص طور سے تدسیس و تحریف و تدلیس کا ہدف بنایا ہے۔ (۲۰)

(۲۰) سیرۃ الامامین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مؤلفہ سید سلیمان ندوی مرحوم، ص ۱۴۲ سے اس کی ایک مثال ذیل میں درج کرتا ہوں:

”بعض شیعہ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کچھ سپاہیوں کے ساتھ ایک سپید خچر پر سوار ہو کر امام حسنؓ کے جنازے کو روکنے کے لئے نکلیں..... الخ۔ یہ روایت تاریخ طبری کے ایک پرانے (نسخے) فارسی ترجمے میں جو ہندوستان میں چھپ بھی گیا ہے، نظر سے گزری ہے، لیکن جب اصل متن عربی مطبوعہ یورپ کی طرف رجوع کیا تو جلد ہفتم کا ایک ایک لفظ پڑھنے کے بعد بھی یہ واقعہ نہ ملا۔ طبری کے اس فارسی ترجمے میں درحقیقت بہت سے حذف و اضافے ہیں۔“

میں بھی اسلامی ادب کا پچاس سال سے زائد عرصے تک مطالعہ کرنے کے بعد اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ قرآن حکیم کو چھوڑ کر دشمنان اسلام نے ہر علم و فن کی کتابوں میں خصوصاً تاریخ، حدیث اور تصوف کی کتابوں میں حذف و اضافہ کا مقدس فریضہ سرانجام دیا ہے اور اس کا خاص مقصد صحابہ کرامؓ کی تنقیص و توہین و تحقیر ہے۔ اعدو باللہ من هذه الخرافات۔

اس تمہید کے بعد اب میں تصوف کی مختلف کتابوں سے اپنے دعوے کے ثبوت میں شواہد پیش کرتا ہوں۔

(۱) حدیقتہ الحقیقتہ مصنفہ حکیم سنائی غزنوی

فارسی نظم میں تصوف پر قدیم ترین کتاب ہے جو میری نظر سے گزری ہے۔ اس کے دو نسخے میرے پیش نظر ہیں۔ ایک نسخہ مطبوعہ طہران ہے جس پر مدرس رضوی استاد دانش گاہ طہران نے مقدمہ بھی لکھا ہے۔ دوسرا نسخہ لکھنؤ کا چھپا ہوا ہے۔ ذیل میں مقدمہ مذکورہ سے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں:

”سنائی پہلا شاعر ہے جس نے تصوف کے مضامین کو فارسی میں نظم کیا۔ (ص کج) چونکہ اس نے اپنے عقائد کی تفصیل میں دوستی آل علیؑ میں غلو کے علاوہ آل ابوسفیان کے ساتھ دشمنی کا اظہار بھی کیا تھا اس لئے علماء نے اس کی تکفیر کی اور اس کی کتاب کو کتاب گمراہی قرار دیا اور اس حد تک مخالفت کی کہ بہرام شاہ سلطان غزنوی نے اسے قید کر دیا۔ (ص ل) زمانہ تصنیف (چھٹی صدی ہجری) سے اب تک اس کتاب میں ”تحریفات و تصرفات فراوان“ ہو چکی ہے (ص لب) مختلف قلمی نسخوں میں اشعار کی تعداد مختلف ہے۔ بعض نسخوں میں پانچ ہزار ابیات ہیں، بعض میں چھ ہزار اور بعض میں دس ہزار ہیں (ص لب)۔ اس کتاب کے دو نسخے ایسے نہیں ملتے ہیں جن میں موافقت ہو۔ اور یہ اختلاف کبھی اس حد تک نظر آتا ہے کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے۔ (ص نظ) قلمی نسخہ موسومہ ”ی“ میں مناقب امیر المؤمنین علیؑ بن ابی طالب و اولادہ الحسنؑ و الحسینؑ کا اضافہ کیا گیا ہے۔ (ص ۵۸) قلمی نسخہ موسومہ ”م“ اور بعض دوسرے نسخوں میں فصل ”حرب جمل“ موجود نہیں ہے۔ (ص ۲۵۵)

مقدمہ نگار مذکور نے حواشی میں صدہا اختلافات کی نشان دہی کی ہے، جنہیں بخوفِ طوالت نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ ایضاً مقصد کے لئے یہی دو حوالے کافی ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی سبائی نے مناقب علی و اولادہ اور حرب جمل کا اپنی طرف سے اضافہ کر کے سنائی کی شخصیت اور اس کی کتاب دونوں کو محلِ شک باعثِ تفسیح اور موجبِ لومۃ لائم بنا دیا، یعنی ایک تیر سے تین شکار کئے۔ اس تدسیس و تحریف اور حذف

واضافہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ پوری کتاب پایہ اعتبار سے ساقط ہو گئی۔ اب ہمارے پاس کوئی آلہ یا مقیاس یا معیار ایسا نہیں ہے جس کی بناء پر ہم قطعیت کے ساتھ کوئی حکم لگا سکیں۔ اس کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے:

جونسخہ نولکشور پریس لکھنؤ سے ۱۸۸۷ء میں شائع ہوا تھا اس کے ساتھ خواجہ عبداللطیف العباسیؒ کے حواشی بھی ہیں۔ خواجہ صاحب مرحوم اپنے دیباچے میں لکھتے ہیں:

”چونکہ ہندوستان میں ’’دو نسخہ باہم موافق یافت نمی شد‘‘ اس لئے نواب محمد عزیز کوکلتاش المقلب بخان اعظم نے ۱۰۰۰ھ میں ایک شخص کو غزنی بھیجا کہ وہاں سے صحیح نقل حاصل کرے۔ میں نے یہ نسخہ امیر عبدالرزاق کے پاس اپنے وطن آگرہ میں دیکھا۔ ۱۰۳۷ھ میں اس پر حواشی لکھے۔‘‘ (مخلص از دیباچہ)

خواجہ صاحب مرحوم قبل ازیں مثنوی مولانا روم کے مشکل اشعار کی شرح کر کے علمی دنیا میں شہرت حاصل کر چکے تھے۔ اس شرح کا نام لطائف معنوی ہے اور اس کی قدرو قیمت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ مشہور معاند اسلام پروفیسر آراے نکلسن نے اپنے ترجمہ اور حواشی میں اس شرح سے استفادہ کلی کیا ہے۔ حدیقہ پر جو حواشی خواجہ صاحب مرحوم نے لکھے ہیں وہ میری رائے میں حرف آخر کا حکم رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے بعد کسی کو اس کتاب پر حواشی لکھنے کی ہمت نہ ہو سکی۔ (۲۱)

آدم برسر مطلب سنائی نے اس کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثناء کے بعد حضرات صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ اور عثمان غنیؓ کے مناقب لکھے ہیں۔ ان سے یہ ثابت ہوا ہے کہ وہ اہل سنت میں سے تھا۔ لیکن جب وہ حضرت علیؓ حسنؓ اور حسینؓ کے مناقب لکھتا ہے تو پیروان ابن سباء کا لب و لہجہ اور انداز بیان اختیار کر لیتا ہے۔ نیز ان تمام روایات کو آب و تاب بیان کرتا ہے جو قطعاً وضعی ہیں اور تمام محدثین

(۲۱) میں نے یہ چند سطور قصداً لکھی ہیں تاکہ خواجہ صاحب مرحوم کا نام نامی تاریخ تصوف کے اوراق میں محفوظ ہو جائے، ورنہ ظاہر ہے کہ جس طرح میرے زمانہ طفولیت میں عربی ختم ہو رہی تھی اسی طرح ستر سال کے بعد فارسی بھی آخری ہچکیاں لے رہی ہے۔ وہ زمانہ بہت قریب ہے جب اس ملک کے دانشور فارسی ادب سے بھی اسی طرح بے گانہ ہو جائیں گے جس طرح عربی ادب سے نا آشنا ہو چکے ہیں۔

نے انہیں رد کر دیا ہے۔ میں بخوف طوالت وہ تمام اشعار تو نقل نہیں کر سکتا، مگر صفحات کا حوالہ ذیل میں درج کئے دیتا ہوں۔

صفحہ ۲۷۱، ۲۷۳، ۲۷۸ تا ۲۹۹، مطبوعہ نولکشوری پریس لکھنؤ ۱۸۸۷ء۔ لیکن بطور

نمونہ چند اشعار پیش کرتا ہوں۔

عنوان حربِ جمل کے تحت نولکشوری اور ایرانی دو نسخوں میں یہ اشعار مندرج ہیں:

در جمل چوں معاویہ بگریخت	خونِ ناحق بے بخیرہ بریخت
شد ہزیمت بجانب بغداد	گشتہ از فعل زشت خود ناشاد
سر اجارِ حیدر کرار	سرفرازِ مہاجر و انصار
چوں مصافح معاویہ بشکت	یافت بر لشکر معاویہ دست
جمل آں ستیزہ را پے کرد	برگ و ساز معاویہ فے کرد
فقد	وز خجالت نقاب رخ نکشاد!
گفت بد کردہ ام امانم ده	در ترحم کنوں زمانم ده
خواند حیدر برادرش رازد	جملہ احوال ہا ورا بشود
رفت وقتے محمد بوکبر	آں ہمہ صدق و فارغ از ہمہ مکر
پس بر آہنخت تیغ تا بزند	گفت حیدر مکن کس ایں نکلند
عفو کن تا بسوئے خانہ رود	بعد ازیں کار ہائے بد نکلند
بسوئے مکہ زود بفرستاد	در تواضع محل او نہ نہاد
با ہزاراں خجالت و تشویر	رفت زی مکہ ہفت گرم و زحیر
عاقبت ہم بدست آں باغی	شد شہید و بکشتش آں طاغی
آنکہ باجفت مصطفیٰ زمیناں	بد کند مرد را ببرد محواں
چوں ازیں گشت فارغ آں بد مرد	قصہ جانِ امیر حیدر کرد
پسر ہند اگر بدو بدر کرد	آں بدی داں کہ جملہ باخود کرد

میں نے یہ اشعار کلیجے پر پتھر کی سل رکھ کر نقل کئے ہیں، انتہائی مجبوری میں، کیونکہ اگر میں ان ناپاک اشعار کو نقل نہ کرتا تو اپنا دعویٰ ثابت نہ کر سکتا کہ پیروانِ عبداللہ بن

سبائے جن کی اسلام دشمنی کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ۳۱۷ھ میں خانہ کعبہ سے حجر اسود اکھیڑ کر اپنے پیشوا کے مکان کی دہلیز میں دفن کر دیا تھا تا کہ ہر آنے اور جانے والا اسے پامال کرتا رہے، تصوف کی کتابوں میں حذف و اضافہ کا ”مقدس فریضہ“ انجام دے کر لاکھوں مسلمانوں کی گمراہی کا سامان مہیا کر دیا ہے اور ان کی داخل کردہ روایات مروی آیام سے مسلمان صوفیوں کے دماغوں میں اس طرح پیوست ہو چکی ہیں کہ ان کا جدا کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ بلکہ نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اگر کوئی مسلمان مسلمانوں کی مجلس میں ان جھوٹی روایات کو جھوٹا کہہ دے تو تمام سنی مسلمان اس کو سنگسار کر دیں گے۔

اب ناظرین ان اشعارِ آبدار کو پڑھ کر خود فیصلہ کر لیں کہ کیا کوئی صحیح العقیدہ سنی مسلمان اس قسم کے ناپاک اشعار لکھ سکتا ہے؟ لاریب ان اشعار کا کہنے والا دشمن اسلام ہی نہیں ہے بلکہ جاہل بھی ہے۔ اگر یہ اشعار سنائی ہی کے ہیں تو اس کی اسلام دشمنی اور جہالت دونوں باتیں اظہر من الشمس ہیں اور اگر اس کے نہیں ہیں تو میرا دعویٰ ثابت ہو گیا کہ یہ اشعار کسی دشمن دین سبائی نے اپنی طرف سے کتاب میں داخل کر دیئے ہیں۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ سنائی کی جلالت شان کی بدولت آٹھ سو سال میں کئی لاکھ مسلمانوں کا ایمان تباہ ہوا ہوگا۔ اگر سنائی کو خباثت اور سبائیت سے بری کرنے کے لئے ان اشعار کو الحاقی تسلیم کر لیا جائے تو بھی دشمنان اسلام تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ اور چونکہ ان اشعار کو متن کتاب سے حذف کر دینے کا کوئی امکان نہیں ہے اس لئے آب زم زم میں یہ ناپاک قطرات بدستور شامل رہیں گے۔

خواجہ عبداللطیف عباسی شارح حدیقہ نے ان اشعار پر یہ حاشیہ لکھا ہے:

”پس بحکم عقل و نقل کہ کتب معتبرہ سیر مثل روضۃ الاحباب وغیرہا با ناطق

است ثابت و محقق شد کہ اس داستان و ما تعلق بہادریں کتاب الحاقی است“

وا از حکیم نیست واللہ اعلم بالصواب۔ (حاشیہ: ص ۲۸۰)

یہ حقیقت کہ ان اشعار کا مصنف تاریخ سے نا آشنا ہے، یعنی جاہل ہے، ان اشعار

سے عیاں ہے۔

(۱) ع درجمل چوں معاویہؓ بگریخت: تاریخ اسلام کا ہر واقف جانتا ہے کہ جنگ جمل میں حضرت معاویہؓ قطعاً شریک نہیں ہوئے تھے۔

(۲) ع پس بر آہیخت تیغ تا بزند: کسی تاریخ میں یہ بات مذکور نہیں ہے کہ محمد بن ابی بکر نے اپنی خواہر محترمہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

(۳) ع شد شہید و بکشتش آں طاغی: کسی تاریخ میں یہ بات مرقوم نہیں ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے ام المؤمنینؓ کو شہید کیا تھا۔

ان صریح کذب بیانیوں کے علاوہ ان اشعار میں ام المؤمنینؓ اور حضرت معاویہؓ کی شان اقدس میں جو اثر خائف اور ہرزہ سرائی کی گئی ہے اس سے صاف طور پر ثابت ہے کہ اس کا مرتکب اللہ رسول اللہ اور دین اسلام سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔ سیدۃ النساء حضرت عائشہ صدیقہؓ ”فجوائے کلام اللہ سب مسلمانوں کی ماں ہیں۔ اپنی ماں کی توہین کرے والا اسلام کو درکنار انسانیت ہی سے خارج ہو جاتا ہے۔

آخر میں فیصلہ قارئین پر چھوڑتا ہوں۔ ان کا جی چاہے سنائی کو دائرۂ انسانیت سے خارج کر دیں، یا پھر ان ہفتوات کو کسی دشمن اسلام کی خباثت قلبی کا مظاہرہ یقین کر کے الحاقی قرار دیں۔ میں بذات خود ان اشعار کو الحاقی یقین کرتا ہوں۔

(۲) فوائد الفوائد ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاءؒ

منہاج سراج نے اپنی مشہور تاریخ موسومہ طبقات ناصری میں صفحہ ۹۸ پر سلطانہ رضیہ بنت التمش کے عہد حکومت کے واقعات میں لکھا ہے:

”۶۳۲ھ میں نور ترک قرمطی نے ملتان سے نقل مکانی کر کے دہلی میں ایک خانقاہ قائم کی۔ اپنے آپ کو صوفی ظاہر کر کے بہت سے مسلمانوں کو اپنا معتقد بنا لیا۔ رفتہ رفتہ گجرات اور سندھ کے بہت سے قرمطی اس خانقاہ میں جمع ہو گئے۔ نور ترک نے اپنی خانقاہ میں وعظ و تلقین و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔ وہ اپنی تقریروں میں سنی علماء کو ناصبی کہتا تھا اور عوام کو ابو حنیفہؒ کے مذہب سے متنفر کرتا تھا۔ جب عوام پر اس کا مذہبی اقتدار قائم ہو گیا تو ۶ رجب ۶۳۲ھ کو جمعہ کے دن ان قرامطہ نے جامع مسجد میں داخل ہو کر بہتے مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا“

مگر انجام کار شاہی فوج نے ان کو مغلوب کر کے تہ تیغ کر دیا۔“
 قاضی منہاج کی یہ شہادت ہم عصرانہ ہے اس لئے یقینی طور پر صحیح ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ نور ترک ایک قمر مطی داعی تھا۔ لیکن شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی تصنیف اخبار الاخیار میں جو اس واقعے کے چار سو برس بعد لکھی گئی یہ لکھا ہے:
 ”اگرچہ قاضی منہاج نے طبقات ناصری میں اس شخص کا ذکر اس انداز سے کیا ہے کہ اس سے تشبیح مذہب لازم آتی ہے مگر فوائد الفوائد میں یہ مذکور ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ اگرچہ بعض علماء نے اس کی مذمت کی ہے مگر وہ ”از آب آسمان پاکیزہ تربود“۔

فوائد الفوائد کے اس ایک جملے سے نور ترک قمر مطی زمانہ مابعد کے صوفیوں کی نظر میں آسمان کے پانی سے بھی پاکیزہ تر بن گیا۔ کیونکہ کسی صوفی میں یہ اخلاقی جرات نہیں ہے کہ وہ یہ کہہ سکے کہ یہ فخرہ الحاقی ہے اور کسی قمر مطی نے اپنی طرف سے ملفوظات شیخ میں اضافہ کر کے اسے سلطان المشائخ سے منسوب کر دیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ایک معتبر معاصرانہ شہادت بہر حال لائق تسلیم ہے۔

ملفوظات بہر حال ملفوظات ہی ہیں انہیں استناد کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ قاضی منہاج صاف لکھتے ہیں کہ وہ قمر مطی تھا اور اس کی خانقاہ میں بہت سے قمر مطی سکونت پذیر تھے۔ اس لئے ثابت ہوا کہ وہ آب آسمان سے پاکیزہ تر نہیں ہے۔ لہذا یہ جملہ سلطان المشائخ کا نہیں ہے کسی نے ان سے منسوب کر دیا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ ملفوظات کے مجموعے از اوّل تا آخر لائق اعتماد ہیں ہرگز صحیح نہیں ہے۔ میں اس جگہ صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔ مزید مثالیں اپنے موقع پر درج کی جائیں گی۔

سلطان المشائخ نے اپنے مرشد شیخ فرید الدین گنج شکر اجودھنی کے ملفوظات کو راحۃ القلوب کے نام سے مرتب کیا تھا۔ میرے پیش نظر اس کا جو نسخہ ہے وہ ۱۳۰۹ھ میں طبع ہوا تھا۔ اس کے صفحہ ۸۵ پر یہ ”ملفوظ“ درج ہے جس کا اردو ترجمہ میں بھائی ہوش و حواس ذیل میں نقل کرتا ہوں:

”ایک دن آنحضرت ﷺ باجمع صحابہ کبار بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یزید پلید کو اپنے کاندھے پر بٹھائے سامنے سے گزرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے اور کہا ”سبحان اللہ! ایک دوزخی ایک بہشتی (جنتی) کے کاندھے پر سوار ہو کر جا رہا ہے۔“ امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات سن کر کہا: یا رسول اللہ! یہ تو معاویہ کا بیٹا ہے، دوزخی از کجا است؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”یا علی! یہ یزید بد بخت وہ ہے جو حسن اور حسین اور میری تمام آل کو شہید کرے گا۔“ یہ سن کر علیؑ کھڑے ہو گئے۔ تلواریں سے نکالی کہ ایساں را بکشد۔ مگر آنحضرت ﷺ مانع ہوئے کہ: ”اے علی! ایسا مت کر کہ اللہ کی تقدیر یہی فیصلہ کر چکی ہے۔“ یہ سن کر علیؑ رونے لگے اور پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ اُس وقت ہمارے سر پر (زندہ) ہوں گے؟ فرمایا: ”نہیں“ پھر پوچھا: میں اس میں سے کوئی زندہ ہوگا؟..... (لفظ پڑھنا نہ جا سکا) پھر پوچھا: میں زندہ ہوں گا؟ کہا: ”نہیں۔“ پھر پوچھا: فاطمہ ہوں گی؟ کہا: ”نہیں۔“ پھر پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! میرے غریبوں کا ماتم کون کرے گا؟ جواب دیا: ”میرے امتی۔“ اس کے بعد علیؑ اور رسول خدا ﷺ دونوں روئے اور شہزادوں کو سینے سے لگا کر بآواز بلند کہا: اے غریبو! ہم نہیں جانتے کہ اس دشت میں تمہارا کیا حال ہوگا۔“ (انتہی بلفظہ)

تفقید و تبصرہ سے پہلے ناظرین اس بات پر غور کریں کہ اس روایت کا ناقل کون ہے! سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ وہ کس سے نقل کر رہے ہیں؟ اپنے پیرو مرشد شیخ المشائخ حضرت فرید الدین گنج شکرؒ سے۔ اب وہ کون سا چشتی ہوگا جسے ان خرافات کی صحت میں شک ہو سکتا ہے؟ لیکن حقیقت یہی ہے کہ یہ روایت از اوّل تا آخر کذب و افتراء اور بہتان ہے۔ کیونکہ:

(ا) آنحضرت ﷺ کی وفات بلا شک و شبہ ۱۱ھ میں ہو گئی تھی۔

(ب) امیر یزیدؒ کی ولادت ۲۶ھ میں ہوئی تھی۔

لہذا ثابت ہوا کہ یہ افسانہ سراسر جھوٹا ہے۔ کسی سبائی نے یہ لغو اور من گھڑت داستان ملفوظات میں شامل کر دی ہے، تاکہ مسلمان بالعموم اور چشتی افراد بالخصوص اس

شخص کو دوزخی یقین کر لیں جس کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے یہ بشارت دی تھی کہ ”پہلا لشکر جو قیصر روم کے شہر پر حملہ آور ہوگا، مغفور ہے۔“

ظاہر ہے کہ یہ بشارت آپ ﷺ نے وحی الہی کی بناء پر دی تھی اس لئے اس کی صداقت پر کوئی شک نہیں ہے۔ اب سنئے کہ جس لشکر نے سب سے پہلے قیصر کے شہر پر حملہ کیا تھا اس کی قیادت امیر یزید نے کی تھی اور حضرت حسینؑ کے علاوہ بہت سے صحابہؓ نے اسی لئے باشتیاق تمام اس جہاد میں شرکت کی تھی کہ حضور انور ﷺ نے مجاہدین کے جنتی ہونے کی بشارت دے دی تھی۔ دیگر صحابہؓ کے ساتھ حضرت حسینؑ نے بھی اسی شخص کی اقتداء میں نمازیں پڑھی تھیں جسے مسلمان کہلانے والے ”دوزخی“ سمجھتے ہیں۔ کیا خدا کی شان ہے! جسے حضور ﷺ مغفور قرار دیں آپ کے نام لیوا اسے ملعون کہتے نہیں تھکتے۔

یہ روایات صحیح و سلیطانہ بات تھی۔ میں نے اپنا دعویٰ ثابت کر دیا کہ جو ملفوظات بزرگان دین سے منسوب ہیں وہ کلیہً قابل اعتماد نہیں ہیں۔ ان میں سبائیوں نے جھوٹی روایات اپنی طرف سے داخل کر دی ہیں۔

(۳) جامی پر دست درازی

سنائی، عطار اور رومیؒ کے بعد صوفیانہ ادب میں جامی کا نام معروف ترین ہے۔ (۲۲) جیسا کہ ہر طالب علم جانتا ہے جامی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ سے وابستہ ہیں، یہ سلسلہ افضل الصحابہؓ، بلکہ افضل البشر بعد الانبیاءؑ و وارث کمالات نبوت، متمکن ذرۃ ولایت، ثانی اسلام و غار و بدر و قبر خلیفہ رسول بلا فصل، امیر المؤمنین قدوة الصدیقین سیدنا و مولانا حضرت ابوبکر الملقب بصدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتا ہے۔ جامی نے سب سے پہلے مولانا سعد الدین کاشغری نقشبندیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کی وفات ۸۶۰ھ کے بعد خواجہ ناصر الدین الملقب بخواجه احرار ۸۹۵ھ سے رشتہ ارادت استوار کیا اور باقاعدہ سلوک طے کر کے وہ مقام حاصل کیا کہ ان کا شمار سلسلہ

(۲۲) در دلہائے بستہ را کشاید دو بیت از چہر روی یا ز جامی (اقبال)

نقشبندیہ کے مشائخ میں ہوتا ہے۔ تمام تذکرہ نویسوں نے انہیں اہل سنت میں شمار کیا ہے۔ انہوں نے اپنی اکثر تصانیف میں خلفاء اربعہ کی مدح کی ہے۔ مثلاً:

یکے ثانی اثنین در کنج غار کہ چوں مار شد تاوک جاں شکار
دوم آنکہ از سکہ عدل اوست کزیں گوئے دنیا و دین سرخ روست
سوم شرم گیتی کہ شد بے قصور ز شمع نبوت نصیبتش دو نور
چہارم کہ آں ابر در یا ثار غم او کرم برقی او ذوالفقار
(مثنوی خردنامہ اسکندری)

وز میان ہمہ نبود حقیق بخلافت کس بہ از صدیق
وز پئے او نبود از اں احرار کس جو فاروق " لائق ایں کار
بود بعد از ہمہ بعلم و وفا اسد اللہ خاتم الخلفاء
لعن کز رافضی شود واقع شود آں لعن ہم بدو راجع
(سلسلۃ الذہب)

آں چار ستون خانہ دیں واں چار چراغ بزم تمکین
ہر یک بخلافت سزاوار ہر چار یکے د ہر یکے چار
ایشاں بہ یگانگی بہم راست یگانگی از فضول ماخاست
(لیلیٰ مجنوں)

لیکن ان تصریحات کے باوجود بعض لوگوں نے ان کو مائل بہ تشیع قرار دیا ہے اور بعضوں نے ان کو اہل تقیہ میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ محمد حسین افسینی خاتون آبادی لکھتا ہے:

”ان تمام دلائل کے باوجود جو ان کے ناصبی ہونے پر شاہد ہیں، ہم ان کو اہل تقیہ میں شمار کر سکتے ہیں، یعنی وہ دل میں شیعہ تھے مگر زبان و قلم سے اپنے آپ کو سنی ظاہر کرتے تھے۔“

پھر اپنے مدعا کی تائید میں اس نے یہ حکایت نقل کی ہے جس کا راوی علی بن

عبدالعال ہے۔ وہ کہتا ہے:

”میں سفر نجف میں جامی کے ساتھ تھا۔ میں نے تقیہ کر کے اپنے عقائد کو ان سے پوشیدہ رکھا تھا۔ جب ہم بغداد پہنچے تو ایک دن لب و جلد تفریح کے لئے گئے۔ اتفاقاً ایک قلندر وہاں آ نکلا اور امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی شان میں ایک قصیدہ غرا سنا شروع کیا۔ جامی پر رقت طاری ہو گئی اور سر بسجود ہو گئے پھر سر اٹھایا، قلندر کو پاس بلایا اور بہت انعام دیا۔ اس کے بعد مجھ سے پوچھا: ”تم نے مجھ سے گریہ اور سجدے کا سبب کیوں نہیں پوچھا؟“ میں نے کہا: ”اس کا سبب آشکار تھا، کیونکہ علی خلیفہ چہارم ہیں اور ان کی تعظیم واجب ہے۔“ یہ سن کر جامی نے کہا: ”علی خلیفہ چہارم نہیں ہیں بلکہ پہلے خلیفہ ہیں۔ اب مناسب ہے کہ میں تقیہ کا لبادہ اتار دوں۔ اور چونکہ ہمارے درمیان موت پیدا ہو چکی ہے اس لئے میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں شیعانِ خلص امامیہ میں سے ہوں، لیکن میرے دل میں اب بھی یہ خیال ہے کہ افاضلِ ثقات نے بیان کیا ہے کہ ہم نے جامی کے خدام سے یہ سنا ہے کہ ان کے تمام اہل بیت مذہب امامیہ رکھتے تھے، لیکن مولانا تقیہ میں بہت مبالغہ فرماتے تھے اور ہمیشہ اپنے اہل و عشیرت کو اس کی وصیت کرتے رہتے تھے۔“

یہ فسانہ عجائب نقل کرنے کے بعد کلیاتِ جامی کا مقدمہ نگار لکھتا ہے کہ:

”جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے اس سے تماثل نسبت بشیعہ امامیہ تو ثابت ہوتا ہے لیکن یہ تمام دلائل بہت سست پایہ ہیں، کیونکہ جامی نے صاف لفظوں میں ابوطالب کو کافر قرار دیا ہے۔“

بعضوں نے کہا ہے کہ جامی شروع میں سنی تھے مگر آخری عمر میں شیعہ ہو گئے تھے۔ مقدمہ نگار (ہاشم رضی) لکھتا ہے کہ ”یہ بات بھی غلط ہے، کیونکہ خردنامہ اسکندری آخری عمر میں لکھی تھی مگر اس میں بھی انہوں نے خلفائے اربعہ کی مدح کی ہے۔“ یہی مقدمہ نگار صفحہ ۱۹۸ پر پھر لکھتا ہے کہ ”چونکہ جامی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدح میں قصائد لکھے ہیں اور بعض غزلوں میں بھی ان کی توصیف کی ہے اس لئے بعض لوگوں نے انہیں روش امامیہ اور تشیع سے منسوب کر دیا ہے۔“

خلاصہ کلام اس کے جامی کے بارے میں حسب ذیل خیالات ظاہر کئے گئے ہیں۔

(۱) بعض انہیں سنی کہتے ہیں اور سنی بھی نقشبندی۔

(۲) بعض نے انہیں مائل بہ تشیع لکھا ہے۔

(۳) بعض کا خیال ہے کہ وہ ساری عمر تقیہ فرماتے رہے۔

(۴) بعض کا خیال ہے کہ شروع میں سنی تھے لیکن قبل وفات شیعہ ہو گئے تھے۔

فتنہ پردازوں نے یہ اتہامات اس شخص پر لگائے ہیں جس نے سلسلۃ الذہب میں صاف طور پر لکھا ہے:

بود بو طالب آں تہی ز طلب مر نبی را عم و علی را اب

خویش و نزدیک بود با ایشاں نسبت دیں نیافت با خویشاں

بچ سودے نداشت آں نیش شد مقرر در ستر چو بولہبش!

انہی اشعار کی بارش میں بقول مقدمہ نگار ”شاہ اسماعیل صفوی ہنگام تسخیر بلدہ

ہرات بنا بر تعصب مذہب قبر مولوی رامہندم ساخت“ ص ۱۹۳

اس کے باوجود ارباب کیس نے ان کے مذہبی عقائد کو عامتہ المسلمین کی نظروں میں اور کچھ نہیں تو مشتبہ اور محل بحث و نزاع یقیناً بنا دیا ہے۔

باطل پرستوں نے ایک جھوٹی روایت بھی تصنیف کر دی کہ سفر نجف میں انہوں نے اپنے ہم سفر سے اپنے شیعہ ہونے کا اقرار کیا تھا۔ یہ روایت بالکل لغو اور بے اصل و بے سند ہے۔ مگر یہ طائفہ ضالہ بخوبی واقف ہے کہ عوام نہ تنقید کی صلاحیت رکھتے ہیں اور نہ انہیں تنقید کی فرصت ہوتی ہے۔

جامی کے بارے میں جو کچھ میں نے لکھا ہے یہ سب کلیات جامی کے مقدمے سے ماخوذ ہے جو ہاشم رضا ایرانی نے لکھا ہے (ص ۸۶ تا ۹۶ و ۱۹۱ تا ۱۹۷)

میرا مقصد اس بحث سے یہ واضح کرنا ہے کہ سبائیہ باطنیہ اور دشمنانِ صحابہؓ نے مشہور صوفیوں کے عقائد میں دیدہ و دانستہ ایسے شبہات پیدا کر دیئے ہیں جن سے ان کے عقیدت مندوں کے قلوب میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ وہ یا تو تقیہ کرتے تھے یا مائل بہ تشیع تھے اور اس طرح انہیں ان کے آبائی مذہب سے برگشتہ کرنا آسان ہو جائے گا۔ (اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ قدرتی طور پر ان کا میلان بھی تشیع کی طرف ہو جائے گا) راقم

الحروف کے استخارج کی بحث تاریخی شواہد سے پایہ ثبوت کو پہنچ سکتی ہے۔ پاکستان کے اکثر و بیشتر سنی بزرگوں کے مزاروں کے سجادہ نشین اور متولی مذہب امامیہ اختیار کر چکے ہیں اور اپنے بزرگوں کے جاہل عقیدت مندوں سے یہ کہتے ہیں کہ یہ حضرات بھی امامیہ مذہب ہی کے پیرو تھے۔ کیا طرفہ تماشا ہے! صاحب مزار سنی تھا لیکن آج اس کا سجادہ نشین یا متولی شیعہ ہے۔ لاریب یہ اسی طریق کار کا ثمر شیریں ہے جو اس جماعت نے ایک ہزار برس سے اختیار کر رکھا ہے کہ جس طرح ہو سکے صوفیوں کو مسلک امامیہ کا پیرو ثابت کرو تا کہ عوام بھی اپنے پیشواؤں کے مذہب کی طرف مائل ہو سکیں۔

(۴) رومی کے دیوان اور ملفوظات میں الحاق

رومی کی مثنوی میں جہاں تک میری معلومات ہیں، سبائیہ اور قرامطہ نے تدسیس نہیں کی لیکن اس کے دیوان میں چند غزلیات اپنی طرف سے ضرور داخل کر دی ہیں اور ان کے ملفوظات میں بھی ایک روایت ایسی درج کر دی ہے جو رومی ہرگز بیان نہیں کر سکتے تھے۔ اس وقت میرے پیش نظر فیہ مافیہ کا انگریزی ترجمہ ہے۔ اس میں صفحہ ۹۹ پر یہ روایت رومی سے منسوب ہے پڑھئے اور سردھنئے:

”نقل ہے کہ ایک شب آنحضرت ﷺ اپنے صحابہؓ کے ساتھ کسی غزوے سے واپس آئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ”بہاگ دہل اعلان کر دو کہ آج کی رات ہم شہر کے دروازے کے پاس بسر کریں گے اور کل صبح شہر میں داخل ہوں گے۔“ یہ سن کر صحابہؓ نے سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا ”یہ ہو سکتا ہے کہ تم اپنی بیویوں کو اجنبی لوگوں کے ساتھ مباشرت میں مشغول پاؤ اور یہ دیکھ کر تمہیں بہت صدمہ ہوگا اور ایک ہنگامہ برپا ہو جائے گا۔“ لیکن ایک صحابی نے حضورؐ کے ارشاد پر عمل نہ کیا وہ اپنے گھر چلے گئے چنانچہ انہوں نے اپنی بیوی کو ایک غیر مرد کے ساتھ مشغول پایا۔“

اس لغو روایت پر تنقید کرنے کو دل نہیں چاہتا، تاہم دل پر جبر کر کے اتنا لکھنا ضروری ہے کہ یہ روایت کسی سبائی کے خبث باطنی کی مظہر ہے۔ اس نے آنحضرت ﷺ کی نبوت کو بھی ختم کر کے اپنی اسلام دشمنی کا پورا ثبوت ہم پہنچا دیا ہے۔

(ا) اگرچہ آنحضرت ﷺ کو بذریعہ علم غیب معلوم ہو چکا تھا کہ صحابہؓ کی بیویاں غیروں سے زنا کر رہی ہیں اس کے باوجود آپؐ نے چشم پوشی فرمائی اور اس فعل شنیع کو گوارا کر لیا۔ سبحان اللہ! راوی نے رسول اللہ کی سیرت کا کتنا بلند نقشہ کھینچا ہے!

(ب) بعض صحابہؓ نا فرمان بھی تھے، یعنی رسول اللہ ﷺ مومنوں اور منافقوں میں ساری عمر امتیاز نہ کر سکے۔

(ج) بعض صحابہؓ کی بیویاں زنا کار تھیں۔

(د) رسولؐ کی سیرت اور تعلیم کا صحابہؓ پر کوئی اثر مرتب نہیں تھا۔

(ه) رومی اس قدر غیر محتاط تھے کہ بلا تحقیق لغو اور بے سرو پا روایات اپنی مجلسوں میں بیان کرتے رہتے تھے، کیونکہ نہ تو انہوں نے یہ بتایا کہ اس خرافات کا واضع کون ہے؟ اور نہ یہ بتایا کہ یہ روایت انہوں نے حدیث یا سیرت یا مغازی کی کون سی کتاب میں پڑھی تھی۔

غور کیا کہ اس خبیث سبائی نے ایک تیر سے کتنے شکار کئے! طرفہ تماشایہ ہے کہ یہ روایت جو ہفوات کا بدترین نمونہ ہے، صدیوں سے کتاب میں نقل ہوتی چلی آ رہی ہے، کسی مسلمان کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ اسے جعلی قرار دے کر کتاب سے خارج کر دیتا۔

در اصل یہ نتیجہ ہے شخصیت پرستی اور تقلید کو رکنا۔ جو کتاب بھی یا جو شعر بھی کسی ولی اللہ یا امام سے منسوب ہو جائے، کسی مسلمان میں اس پر تنقید کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ تصوف یا فقہ کا یہی وہ پہلو ہے جس کی وجہ سے رفتہ رفتہ مسلمانوں میں ذوق تحقیق ہی ختم ہو گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی علمی ترقی رک گئی۔ وہ آج بھی اسی مقام پر ہیں جہاں نویں صدی میں تھے۔ ع

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے!

(۵) شیخ محی الدین ابن عربیؒ پر ظلم

شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ جیسا کہ فتوحات مکیہ کے مطالعے سے معلوم ہو سکتا ہے، نہایت راسخ العقیدہ اور متبع شریعت بزرگ تھے۔ فتوحات مکیہ کے پہلے باب میں

انہوں نے تین وصل قائم کئے ہیں اور پہلے وصل میں اپنا عقیدہ بیان کیا ہے۔ اسے غور سے پڑھا جائے تو یہ معلوم ہوگا کہ عقائد نسفی کی شرح پڑھ رہے ہیں۔ انہوں نے سرمو اشاعرہ کے مسلک سے انحراف نہیں کیا ہے۔ چونکہ اس تاریخ میں ان کا مفصل تذکرہ لکھوں گا اس لئے اس جگہ صرف اس بات پر اکتفا کرتا ہوں کہ ان کی تصانیف میں بھی سبائیہ اور قرامطہ نے تدسیس کی ہے۔ چنانچہ امام شعرانی اپنی تصنیف ”الیواقیت والجوہر“ صفحہ ۷، مطبوعہ مصر ۱۳۵۱ھ پر لکھتے ہیں:

”حضرت شیخ“ کتاب اور سنت کے پابند تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص ایک لکھے کے لئے بھی میزان شرع کو اپنے ہاتھ سے پھینک دے گا وہ یقیناً ہلاک ہو جائے گا۔ ان کی تصانیف میں جو عبارتیں ظاہر شریعت سے معارض ہیں وہ سب بدسوس ہیں (دوسروں نے داخل کر دی ہیں) مجھے اس حقیقت سے سیدی ابوطاہر مصری نے آگاہ کیا جو اس وقت مکہ معظمہ میں مقیم تھے۔ انہوں نے مجھے فتوحات کا وہ نسخہ دکھایا جس کا مقابلہ انہوں نے تونیہ میں شیخ اکبر کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے سے کیا تھا۔ اس نسخے میں وہ فقرے نہیں تھے جو میرے نسخے میں تھے اور میں نے ان فقروں میں توقف (ان کی صحت میں شک) کیا تھا جب میں فتوحات کا اختصار کر رہا تھا۔“

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ:

”ان ملاحدہ اور زنادقہ (قرامطہ و سبائیہ) نے سب سے پہلے امام احمد بن حنبلؒ اور اس کے بعد علامہ مجد الدین فیروز آبادی اور امام غزالی کی تصانیف خصوصاً احیاء العلوم میں تدسیس کی ہے۔“

اس کے بعد لکھتے ہیں:

”اس فرقہ باطنیہ کی جسارت کا یہ عالم ہے کہ اس فرقے کے ایک شخص نے ایک کتاب لکھ کر میری طرف منسوب کر دی اور تین سال تک یہ کتاب میری زندگی میں متداول رہی۔“

پھر لکھتے ہیں کہ:

زنادقہ نے امام احمد بن حنبلؒ کے مرض الموت کے زمانے میں ایک کتاب جس

میں اپنے باطنی عقائد بیان کئے تھے پوشیدہ طور پر (ان کا شاگرد بن کر) ان کے سرہانے (تکے) کے نیچے رکھ دی تھی۔ اور اگر امام مرحوم کے تلامذہ ان کے عقائد سے بخوبی واقف نہ ہوتے تو جو کچھ انہوں نے مرحوم کے تکے کے نیچے پایا تھا اس کی وجہ سے وہ لوگ بہت بڑے فتنے میں مبتلا ہو جاتے۔“

(۶) بعض دوسری مثالیں

سبائیہ اور قرامطہ نے صوفیوں کی تصانیف میں تدسیس کے علاوہ اپنی تصانیف نظم و نثر میں ان میں سے بعض کو اپنی جماعت کا فرد ظاہر کر کے اہل سنت کی نگاہوں میں ان کی دینی حیثیت کو مشکوک اور محل نظر بنا دیا۔ بخوف طوالت صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔

خواجہ عبداللہ انصاری ہمدانی جو منازل السائرین کے مؤلف ہیں پانچویں صدی کے مشاہیر صوفیوں میں سے ہیں۔ لیکن ایک اسمعیلی شاعر نے اپنے دیوان میں ان کی مدح کی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ادارہ نشریات اسمعیلیہ بمبئی نے غالباً ۱۹۳۵ء میں خاکی خراسانی اسمعیلی کا دیوان شائع کیا تھا جسے پروفیسر آئی ویناف (Ivanow) نے مرتب کیا ہے۔ پروفیسر مذکور اپنے مقدمے میں لکھتا ہے:

”اگرچہ اسمعیلی دعاۃ کو بہت ستایا گیا مگر ان کی دعوت کا تصوف پر بہت اثر مرتب ہوا اور تصوف عرصہ دراز تک ان کے خیالات سے فیض یاب ہوتا رہا۔“

اس کی وجہ یہ ہے کہ اسمعیلی دعاۃ نے اپنے خیالات کی اشاعت کے لئے تصوف کو آلہ کار بنایا، یعنی صوفیوں کے لباس میں اپنے عقائد کی اشاعت کی۔ اب میں خاکی کے دو شعر نقل کرتا ہوں۔ ع

طوطی ام شہ مرا بود مرآت شکر م از دکان عطار است
ژندہ پیل احمد است قبلہ ما خواجہ عبداللہ کہ ز انصار است

ان دو شعروں سے تینوں صوفیوں کی مذہبی حیثیت مشکوک ہو گئی۔ اب دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ یا تو عطار احمد ژندہ پیل اور عبداللہ انصاری یہ تینوں دراصل باطنی تھے جنہوں نے سنی بن کر مسلمانوں کو گمراہ کیا یا خاکی نے ان کی حیثیت کو مشتبہ کرنے کی

غرض سے اپنا مدوح اور زندہ پیل کو اپنا قبلہ بنا لیا۔

پروفیسر مذکور اپنے ایک مضمون میں جو رائل ایشیاٹک سوسائٹی شاخ بمبئی کے جرنل ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا تھا، صفحہ ۶۹ پر لکھا ہے:

”اسمعیلیہ نے اپنے شیعہ تصوف کی خصوصیات کو بہر حال برقرار رکھا۔ انہوں نے ادبیات تصوف کا بڑے ذوق سے مطالعہ کیا مگر اس کی شرح اپنے مخصوص عقائد کی روشنی میں لکھی۔“

یعنی باطنیہ نے سنی صوفیہ کی تصانیف کی شرح اپنے زاویہ نگاہ سے لکھ کر اہل سنت کو ورطہ ضلالت میں غرق کر دیا۔ ان تصریحات سے میرا دعویٰ پایہ ثبوت کو پہنچ گیا کہ باطنیہ اور قرامطہ اور اسمعیلیہ حضرات نے تصوف کا لبادہ اوڑھ کر اپنے عقائد مسلمانوں کو سمجھا اس لئے قرامطہ کے عقائد کو مین وعن صحیح تسلیم کر لیا اور رفتہ رفتہ ان (باطنیہ) کے ہم عقیدہ بن گئے۔

اس طرح غیر اسلامی عقائد چوتھی صدی ہجری سے مسلمانوں میں مقبول ہو گئے۔ چنانچہ ابونصر سراج اپنی تصنیف کتاب اللمع میں لکھتے ہیں:

”بغداد کے بعض صوفیہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جب سالک کی ذاتی صفات فنا ہو جاتی ہیں تو وہ صفات ایزدی میں داخل ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس سے حلول کا دروازہ کھل جاتا ہے اور یہ عقیدہ کفر ہے۔“

شمس الدین افلاکی نے جو چلی عارف کے مرید اور رومی کے ہم نشین تھے ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام مناقب العارفین ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ احمدی پریس رامپور (یو پی) سے ۱۹۲۱ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کتاب سے دو قصے نقل کرتا ہوں جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے طلسم ہو شر با سے بھی بڑھ کر ہیں۔ پڑھئے اور دشمنان اسلام کی چیرہ دستی کا ماتم کیجئے!

صفحہ ۲۴۱ پر لکھتا ہے:

”ایک دن کراخاتون زوجہ مولانا رومی کے دل میں خیال آیا کہ مولانا ایک

عرصے سے میری جانب ملتفت نہیں ہیں، خدا معلوم شہوانی جذبات باقی ہیں یا بالکل فنا ہو گئے ہیں (مولانا کو بذریعہ کشف اُن کا یہ خیال معلوم ہو گیا) رات کو مولانا ان کے پاس گئے۔ جذبات شہوانی کا یہ عالم تھا کہ کراخاتون پریشان ہو کر استغفار پڑھنے لگیں۔ مولانا نے ستر بار جماع کیا، پھر فرمایا ”مردانِ خدا ہر شے پر قادر ہیں۔ ترک یا قلتِ مباشرت کا باعث استغراق ہے۔“

اس کے بعد جو روایت درج ہے اسے پڑھنے سے پہلے کلیجے کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیجئے، مبادا شق ہو جائے۔

”پھر فرمایا کہ آنحضرت ﷺ اور ان کی ایک زوجہ میں بھی یہی معاملہ ہوا تھا۔ ایک دن انہوں نے ایک چڑے کو چڑیا کے ساتھ جفت ہوتے دیکھ کر بطور مطاہبہ آپ سے کچھ کہا۔ چنانچہ بوقتِ شب آپ نے ان سے نوے بار قربت فرمائی۔ اس کے بعد فرمایا: ”ہم نے خود لذتِ دنیا کو ترک کر دیا ہے، ورنہ یہاں کچھ کمی نہیں ہے۔“

صفحہ ۲۵۹ پر یہ روایت درج ہے:

”مولانا رومی نے فرمایا کہ ایک دن آنحضرت ﷺ نے کچھ اسرار حضرت علیؑ کو خلوت میں تعلیم فرمائے اور وصیت کی کہ نامحرم سے بیان نہ کرنا۔ حضرت علیؑ نے چالیس روز تک ضبط کیا۔ اس کے بعد ان کا پیٹ حاملہ عورت کی طرح پھول گیا۔ مجبوراً صحرا میں جا کر ایک کنویں میں منہ لٹکایا اور سب اسرار بیان کر دیئے۔ چند روز کے بعد اس کنویں سے نے کا ایک درخت نکلا۔ ایک چرواہے نے اس سے نے (بانسری) بنائی۔ اتفاقاً آنحضرت ﷺ نے اس نے کی آواز سنی تو اسے بلایا اور سن کر فرمایا: ”اس نے سے ان اسرار کی شرح نمایاں ہے جو ہم نے حضرت علیؑ کو تلقین کئے تھے۔“

میرا خیال ہے کہ یہ قصے محتاجِ تنقید نہیں ہیں۔ ان کی لغویت خود شاہد ہے کہ انہیں کسی دشمنِ اسلام نے مناقبِ العارفین میں داخل کر دیا ہے۔

امام شعرانی کی تصنیف الطبقات الکبریٰ کے اردو ترجمے میں صفحہ ۴۶۸ پر یہ

روایت درج ہے:

”بعض ظاہر و باطن عارف علی ابن ابی طالب اسی طرح اٹھائے گئے ہیں جس طرح عیسیٰ اور عیسیٰ کی طرح عنقریب نازل ہوں گے“ میں (استاد سید علی فرزند سید محمد وفا) کہتا ہوں کہ سید علی خواص بھی اس کے قائل تھے۔ چنانچہ میں نے ان کو کہتے سنا کہ نوح نے کشتی میں سے ایک تختہ علی کے نام اٹھا کر رکھا (نوح کو خدا نے بتا دیا تھا) وہ تختہ محفوظ رہا۔ چنانچہ علی اسی تختے پر اٹھائے گئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔“

اس روایت کا مضمون خود بتا رہا ہے کہ یہ کسی ایسے شخص کی موضوع ہے جو حضرت علیؑ کے رفع سماوی کا عقیدہ رکھتا تھا اور تاریخ سے ثابت ہے کہ یہ عقیدہ سب سے پہلے عبداللہ بن سبائے شائع کیا تھا۔

ابن اثیر نے اسلام نے صرف تصوف ہی کی کتابوں میں تدسیس نہیں کی بلکہ اہل سنت کی کتب احادیث اور کتب عقائد میں بھی اپنے مزعومات اس طرح شامل کر دیئے کہ مرور ایام سے وہ اوہام باطلہ اہل سنت کے عقائد بن گئے۔ چنانچہ شرح عقائد نسفی مصنف علامہ سعد الدین تفتازانی سے ایک مثال ذیل میں درج کرتا ہوں۔ یہ کتاب آج بھی تمام عربی مدارس میں داخل نصاب ہے اور نہایت مستند تسلیم کی جاتی ہے۔ واضح ہو کہ اہل سنت کے امام فی العقائد ابو حفص نجم الدین النسفی الماتریدی متوفی ۵۳۷ھ نے علم عقائد میں ایک متن لکھا تھا جس کا نام ہے ”عقائد النسفی“ علامہ تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ نے اس کی شرح لکھی ہے جس کا نام ہے شرح عقائد نسفی جو تمام دینی مدارس میں داخل نصاب ہے۔ امام نسفی نے اس متن میں لکھا ہے:

”صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہمیشہ صرف کلمات خیر ہی سے یاد کرنا چاہئے۔“

علامہ اس کی شرح کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

”بہر کیف یزید بن معاویہ کے بارے میں علماء نے آپس میں اختلاف کیا ہے (کہ ان پر لعنت کرنا جائز ہے یا نہیں) چنانچہ الخلاصہ (۲۳) میں اور دوسری کتابوں میں بالصراحت مرقوم ہے کہ یزید یا حجاج پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ان لوگوں پر لعنت کرنے سے

منع فرمایا ہے جو نماز پڑھتے ہوں اور جن کا شمار اہل قبلہ میں سے ہو۔ بعضوں نے اس وجہ سے یزید پر لعنت کو جائز سمجھا ہے کہ جب اس نے الحسینؑ کے قتل کا حکم دیا تو وہ کافر ہو گیا۔ ان لوگوں نے ان پر بھی لعنت کرنے کو جائز قرار دیا جنہوں نے الحسینؑ کو قتل کیا یا اس کا حکم دیا یا اس کی اجازت دی یا اس پر اپنی رضا کا اظہار کیا۔

اختلاف کا تذکرہ کرنے کے بعد شارح اپنی رائے ان الفاظ میں لکھتا ہے:

”حقیقت یہ ہے کہ یزید کا قتل الحسینؑ پر رضا مندی کا اظہار اور قتل پر اپنی خوشی کا اظہار اور نبیؐ کے خاندان کی توہین یہ ایسی باتیں ہیں جو تو اتر سے ثابت ہیں اس لئے ہم اس پر لعنت کے بارے میں بالکل تامل نہیں کرتے بلکہ ہم کو اس کے عقائد کے بارے میں بھی فیصلہ کرنے میں کوئی توقف نہیں ہے (یعنی ہم اسے کافر قرار دیتے ہیں) اس لئے اس پر اور اس کے اعموان و انصار سب پر خدا کی لعنت ہو۔“

میری رائے میں یہ فقرہ جو ”حقیقت یہ ہے“ سے شروع ہو کر لعنت پر ختم ہوتا ہے علامہ موصوف کا تحریر کردہ نہیں ہے بلکہ کسی سبائی نے اپنی طرف سے شامل کر دیا ہے۔ قرینہ اس پر یہ ہے کہ لعنت کے جواز پر جو تین وجوہ بیان کی گئی ہیں وہ تینوں غلط اور جھوٹی ہیں کیونکہ تاریخی طور پر ثابت نہیں ہو سکتیں۔ میں اپنے دعوے کے ثبوت میں تاریخ ابن الاثیر المتوفی ۶۳۰ھ، جلد سوم، مطبوعہ ۱۳۵۶ھ، صفحہ ۲۹۹، ۳۰۰ سے ضروری تصریحات پیش کرتا ہوں۔

(۱) یزید نے (حسینؑ کے سر کو دیکھ کر) کہا: ”خدا کی قسم! اگر میں (کر بلا میں) تیرے ساتھ ہوتا تو میں تجھے قتل نہ کرتا۔“

(ب) کوئی عورت آل یزید میں سے ایسی باقی نہ رہی جس نے (اس واقعہ پر) ماتم نہ کیا ہو۔

(ج) یزید نے حکم دیا کہ علی بن حسینؑ اور اس کے خاندان کی عورتوں کو علیحدہ مکان میں ٹھہرایا جائے اور یزید نہ صبح کا کھانا کھاتا تھا نہ رات کا جب تک علی بن حسینؑ کو اسے ساتھ شریک طعام نہ کر لیتا تھا۔

۵) یزید نے کہا میں تو حسینؑ کو اپنے گھر میں اپنے ساتھ رکھتا اور جو وہ چاہتا اسی کا حکم دیتا، خواہ اس سے میری سلطانی کو ضعف ہی کیوں نہ پہنچتا، اور میں یہ طرز عمل اس قربت کی بناء پر کرتا جو اسے رسول اللہ ﷺ سے حاصل تھی۔

۶) اللہ لعنت کرے ابن مرجانہ پر اور اپنا غضب نازل کرے اس پر۔

۷) اور جب یزید نے ارادہ کیا کہ ان کو مدینے بھیجے تو نعمان بن بشیر کو حکم دیا کہ ضروری سامان سفر مہیا کیا جائے اور ایک امین آدمی اہل شام میں سے مع فوج ان کے ساتھ کرے۔

۸) بوقت رخصت یزید نے علی کو بلایا اور کہا ”اللہ لعنت کرے ابن مرجانہ پر! قسم خدا کی! اگر میں اس کے ساتھ ہوتا جو وہ طلب کرتا اسے دیتا اور اس سے اس کی مصیبت کو دور کرتا خواہ اس میں میرا کوئی بیٹا ہی کیوں نہ کام آ جاتا۔ لیکن اللہ کا فیصلہ یہی تھا جو تو نے دیکھا۔ اے بیٹے! جب تجھے کوئی حاجت درپیش ہو تو مجھے لکھنا۔“

۹) جب قافلہ مدینہ پہنچا تو فاطمہ بنت علی نے اپنی بہن زینب سے کہا: ”اس شخص نے (جو قافلے کا انچارج تھا) ہمارے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا ہے۔ کیا تیرے پاس کچھ ہے جو اسے دیا جائے؟“ زینب نے کہا: ”ہمارے پاس زیورات کے سوا اور کیا ہے؟“ پس دونوں نے اپنے سوارین اور دیکھین اتارے اور اس کے پاس بھیجے، لیکن اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں نے یہ حسن سلوک رسول اللہ ﷺ سے تمہاری قربت کی بناء پر کیا ہے۔“

میں نے احتیاطاً ابن اثیر کی عربی عبارت کا ٹھیکہ لفظی ترجمہ کر دیا ہے۔ اب قارئین خود فیصلہ کر لیں کہ ان تصریحات سے وجوہ لعن و تکفیر میں سے کوئی ایک وجہ بھی ثابت نہیں ہوتی۔ ابن اثیر کے علاوہ کسی مستند تاریخ سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ امیر یزیدؑ نے قتل حسینؑ کا حکم دیا تھا، یا قتل کی اطلاع پر چراغاں کیا تھا، یا حسن مسرت منعقد کیا تھا یا خواتین کی بے حرمتی کی تھی۔

اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ آخری فقرہ علامہ تفتازانی کے قلم سے نکلا ہے تو وہ

دوسرے لفظوں میں علامہ کو تاریخ اسلام سے ناواقف ثابت کر رہا ہے۔ علامہ تفتازانی نے ۷۹۱ھ میں وفات پائی۔ اس لئے انہوں نے تاریخ طبری، مصنفہ طبری التوفیٰ ۳۱۰ھ اور تاریخ الکامل، مصنفہ ابن اثیر متوفی ۶۳۰ھ اور البدایہ والنہایہ، مصنفہ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ ضرور پڑھی ہوگی۔ اب عقلاً صرف دو صورتیں ممکن ہیں۔

(۱) یا تو علامہ تفتازانی کو ایک جاہل شخص تسلیم کر لیا جائے۔

(۲) یا پھر اس عبارت کو ان سے منسوب کرنے کی بجائے کسی جاہل سبائی کی تدسیس قرار دیا جائے۔

اس کے علاوہ اس عبارت کے الحاقی ہونے پر ایک داخلی شہادت بھی پیش کرتا ہوں۔ شرح عقائد نسفی کا جو نسخہ میرے پیش نظر ہے وہ ۱۳۲۹ھ میں مطبع مجبائی دہلی سے شائع ہوا تھا۔ اس نسخے میں ہر جگہ حضرت حسینؑ کے نام کے آگے ”لکھا ہوا ہے“ جیسا کہ ابن سنی کا نسخہ دیکھ رہے ہیں۔ اس عبارت میں لفظ حسین کے اوپر بنا ہوا ہے۔ قدرتی طور پر سوال پیدا ہوگا کہ جب چار سطور پہلے ”بنا ہوا ہے“ تو یہاں اس فقرے میں ”کیوں بنا ہوا ہے۔ اس کا ایک ہی جواب ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ یہ فقرہ کسی ایسے شخص نے اپنی طرف سے داخل کتاب کیا ہے جو حضرت حسینؑ کو انبیاء کا ہم پلہ یقین کرتا ہے، یعنی طائفہ سبائیہ سے تعلق رکھتا ہے۔ آئندہ کتابوں نے نقل مطابق اصل کے قاعدے کی پابندی کی حتیٰ کہ یہ شاہد تدسیس ہمارے زمانے کی مطبوعہ کتابوں میں بھی بکثرت موجود ہے اور زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ مجھے کسی ایسے شخص نے لکھا ہے جو شارح کتاب علامہ تفتازانی کا ہم خیال اور ہم عقیدہ نہیں تھا۔

اب ایک مثال سیرۃ النبیؐ سے درج کرتا ہوں۔

سیرۃ النبیؐ کی کتابوں میں ابن اسحاق کی سیرۃ غالباً قدیم ترین ہے۔ یہ شخص مدینہ میں ۸۵ھ میں پیدا ہوا تھا اور بغداد میں ۱۵۱ھ میں فوت ہوا۔ عقائد کے لحاظ سے شیعہ تھا۔ اس کی تصنیف موسومہ سیرۃ رسولؐ کو ابن ہشام نے ایڈٹ (مرتب) کیا جو بصرے میں پیدا ہوا تھا اور ۲۱۸ھ میں فسطاط (مصر) میں فوت ہوا۔ ابن اسحاق کی سیرت آج کل سیرت ابن ہشام کے نام سے معروف ہے۔ ابن اسحاق غزوہ خیبر کے سلسلے میں

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”کل جھنڈا اس کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ اس کے ذریعے سے فتح عطا کرے گا وہ بھاگنے والا نہیں ہے۔“ چنانچہ دوسرے دن آپ ﷺ نے حضرت علیؑ کو بلایا جو آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنا لعاب دہن لگا دیا (آنکھیں اچھی ہو گئیں) اور جھنڈا دے کر فرمایا: ”اسے لے کر جاؤ یہاں تک کہ اللہ تمہارے ذریعے سے فتح عنایت کرے۔“ چنانچہ علیؑ بجلت تمام قلعے کے نزدیک پہنچے اور پتھروں کے ڈھیر میں جھنڈا گاڑ دیا۔ قلعے کی چوٹی سے ایک یہودی نے انہیں دیکھ کر نام پوچھا۔ جب انہوں نے اپنا نام بتایا تو اس نے کچھ اس قسم کے الفاظ کہے کہ موسیٰ کی وحی کے مطابق تم کامیاب ہو گے یا وہ الفاظ کہے جن کا مطلب یہ تھا کہ حضرت علیؑ واپس نہیں آئے جب تک اللہ نے انہیں فتح عطا نہیں کر دی۔“

(عبداللہ بن اسحاق بن اسحاق (ابن اسحاق) سے کہا کہ میرے خاندان کے ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ میں نے ابورافع (آنحضرت ﷺ کے آزاد کردہ غلام) سے سنا کہ ”جب آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؑ کو اپنا جھنڈا دے کر بھیجا اور وہ قلعے کے نزدیک پہنچے تو اس کے محافظ باہر نکلے اور حضرت علیؑ نے ان سے جنگ کی۔ ایک یہودی نے ان پر حملہ کیا جس سے ان کی ڈھال ان کے ہاتھ سے چھوٹ گئی، اس لئے حضرت علیؑ نے جلدی سے دوڑ کر ایک در (کواڑ) اٹھا لیا جو قلعے کے پاس پڑا تھا اور اس سے ڈھال کا کام لیا۔ جب فتح حاصل ہو گئی تو اسے پھینک دیا۔ میں نے اس دروازہ (کواڑ) کو سات آدمیوں کے ساتھ مل کر اٹھانے کی کوشش کی مگر ہم اسے نہ اٹھا سکے۔“ (مقتبس از انگریزی ترجمہ سیرۃ ابن اسحاق، موسومہ سیرت رسول اللہ ﷺ صفحات ۵۱۲ تا ۵۱۳، مطبوعہ لندن ۱۹۵۵ء)

یہ اقتباسات ابن اسحاق یعنی ایک شیعہ مصنف کی کتاب سے پیش کئے گئے ہیں جو اس قدر راسخ العقیدہ تھا کہ اس نے اپنی اس تصنیف میں حضرت ابان بن حضرت عثمان بن عفان کی تصنیف کتاب المغازی سے جو اس موضوع پر اولین تصنیف ہے اپنی تصنیف میں ان سے کوئی روایت قبول نہیں کی ہے اور نہ ان کا تذکرہ کیا ہے محض اس لئے کہ حضرت ابان داماد رسول ﷺ، خلیفہ راشد امام مظلوم حضرت عثمان شہید فی

سمیل اللہ کے بیٹے تھے (اللہ اکبر کس قدر احتیاط ملحوظ رکھی) بہر حال ان اقتباسات سے حسب ذیل حقائق اظہر من الشمس ہیں۔

(۱) مرحب کو حضرت علیؑ نے قتل نہیں کیا بلکہ حضرت محمد بن مسلمہؓ نے قتل کیا۔

(۲) حضرت علیؑ نے خیبر کے قلعوں میں سے ایک قلعہ فتح کیا تھا۔

(۳) عبداللہ بن الحسن والی روایت جس کی رو سے حضرت علیؑ نے کواڑ سے ڈھال

کا کام لیا، نہ اصول روایت کے اعتبار سے قابل اعتبار ہے اور نہ اصول درایت کے لحاظ سے لائق قبول ہے۔ اصول روایت کی رو سے اس لئے نہیں کہ عبداللہ بن الحسنؓ نے یہ

نہیں بتایا کہ یہ داستان میں نے کس سے سنی۔ تمام محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس روایت کے راویوں میں سے کوئی راوی مجہول الاسم ہو، یعنی اس کا نام معلوم نہ ہو تو

حضرت علیؑ کے ہاتھ سے ڈھال گر پڑی تو عقل یہ کہتی ہے کہ انہیں دوڑ کر اپنی ڈھال اٹھا

لینی چاہئے تھی نہ یہ کہ وہ ڈھال کو چھوڑ کر اس کواڑ کو اٹھانے جاتے جو قلعے کے پاس پڑا

ہوا تھا۔ یہ بات اس وقت قابل قبول ہوتی جب راوی یہ واضح کر دیتا کہ ڈھال بہت

دور مثلاً پچاس قدم پر تھی اور دروازہ یا کواڑ بہت نزدیک تھا۔ علاوہ بریں دنیا میں آج

تک کوئی دروازہ یا کواڑ ایسا نہیں بنایا گیا جو ڈھال کا کام دے سکے۔ ڈھال اور

دروازے میں دور کی مناسبت بھی نہیں ہے۔

(۴) مرحب سے حضرت علیؑ کی جنگ کا افسانہ دوسری صدی میں یعنی ابن اسحق کی

زندگی میں وضع نہیں کیا گیا، ورنہ ابن اسحق جس نے دروازے کا افسانہ درج کر دیا، اس

افسانے کو یقیناً زینت کتاب بناتا۔ لہذا ثابت ہوا کہ مرحب سے حضرت علیؑ کی جنگ کا

افسانہ تیسری صدی میں وضع کیا گیا اور جس طرح بہت سی غلط روایات سبائیوں کی

تدسیس سے اہل سنت کی کتابوں میں راہ پا گئیں یہ افسانہ بھی ان کی کتابوں میں جگہ پا

گیا۔ فی الجملہ سیرۃ کی قدیم ترین کتاب کی رو سے بالکل واضح ہے کہ مرحب کو محمد بن

مسلمہؓ نے قتل کیا تھا لیکن افسانہ طرازوں نے مرحب اور حضرت علیؑ کے مابین فرضی قتال

کو جس رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کیا ہے اس کی تفصیل کے لئے میں البدایہ والنہایہ

مؤلفہ امام ابن کثیر دمشقی المتوفی ۷۷۴ھ سے ضروری اقتباسات ذیل میں درج کرتا ہوں:

(۱) حافظ البزار نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ یوم خیبر میں پہلے ابو بکرؓ اور پھر عمرؓ کے بھیجنے اور اس کے بعد علیؓ کے ہاتھ پر فتح ہونے کا جو قصہ ہے اس کے سیاق میں غرابت اور نکارت ہے اور اس کی اسناد میں ایک شخص ایسا بھی ہے جو متہم بالتشیع ہے۔

(۲) روایت کی موسیٰ بن عقبہ نے زہری سے کہ تحقیق جس نے قتل کیا مرحب کو وہ محمد بن مسلمہؓ تھے۔ اور یہی کہا ہے محمد بن اسحاق نے بروایت جابر بن عبد اللہ کہ نکلا مرحب الیہودی خیبر کے قلعے سے یہ رجز پڑھتا ہوا ”قد علمت خیبرانی مرحب“ تو اس کا مقابلہ کون کرے گا؟“ محمد بن مسلمہ نے کہا ”میں کروں گا“ فضر بہ محمد ابن مسلمہ حتی قتلہ۔ پس تلوار ماری ابن مسلمہ نے یہاں تک کہ قتل کر دیا اس کو (یعنی مرحب کو)۔ صفحہ ۱۸۹ ج ۴

(۳) کہا یونس نے ابن اسحاق سے کہ روایت ہے کہ مجھ سے کہا میرے خاندان کے ایک شخص نے کہ اس نے سنا تھا رافع موٹی رسول اللہ ﷺ سے کہ ہم نکلے علیؓ کے ساتھ جب بھیجا ان کو رسول اللہ ﷺ نے اپنا جھنڈا دے کر۔ جب ہم قلعے کے پاس پہنچے تو اہل قلعہ مقابلہ کے لئے نکلے۔ ایک یہودی کی ضرب سے علیؓ کی ڈھال ان کے ہاتھ سے گر پڑی تو قلعے کے دروازے کو ڈھال بنایا یہاں تک کہ قلعہ فتح ہو گیا..... میرے ساتھ سات آدمی اور تھے میں آٹھواں تھا، مگر ہم سے دروازہ پلٹنا نہ جاسکا۔“

اس افسانے پر ابن کثیر نے یہ تنقید کی ہے و فی هذا الخبر جهالة و انقطاع ظاہر یعنی اس روایت میں جہالت بھی ہے اور انقطاع ظاہر بھی ہے (یعنی بیچ کاروای غائب ہے)۔ پھر لکھتے ہیں:

(۴) حاکم اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ اس دروازے کو چالیس آدمی بھی مل کر نہ اٹھا

سکے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ روایت بھی ضعیف (نا قابل اعتبار) ہے۔
 (۵) جابر سے روایت ہے کہ ستر آدمیوں نے اٹھانے کی کوشش کی تھی (۲۳)۔ ابن کثیر
 لکھتے ہیں کہ یہ روایت بھی ضعیف (نا قابل اعتماد) ہے۔ (ج ۴، ص ۱۹۰)
 (۶) الواقدی نے بھی جابر سے یہی روایت کی ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہؓ نے قتل کیا
 تھا۔ (ج ۴، ص ۱۸۹)

اختصار بقدر ضرورت از البدایہ والنہایہ ابن کثیر، جلد چہارم، صفحات ۱۸۷ تا ۱۹۰، مطبوعہ مصر ۱۹۳۲ء
 بخوف طوالت میں ان موضوع روایتوں کو نقل نہیں کر سکتا جن میں یہ بیان کیا گیا
 ہے کہ مرحب کو حضرت علیؓ نے قتل کیا تھا۔ میرا مقصد صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ مرحب کو
 محمد بن مسلمہؓ نے قتل کیا تھا نہ کہ حضرت علیؓ نے۔ الحمد للہ کہ میں نے اس بات کو بخوبی یعنی
 حضرت علیؓ کی اس فرضی جنگ کے سلسلے میں تصنیف کئے گئے ہیں خود بخود باطل اور بے
 اصل و بے بنیاد قرار پاتے ہیں۔ یہ روایتیں جیسا کہ محدثین اور محققین مثلاً علامہ سخاوی
 نے لکھا ہے، سراسر لغو ہیں۔ (سیرۃ النبی، شبلی نعمانی، جلد اول، ص ۲۸۸)

چونکہ میں تصوف کی تاریخ لکھ رہا ہوں نہ کہ تہذیب و باطنیہ کی تاریخ، اس
 لئے انہی چند مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں۔ اس کے بعد اہل سنت صوفیوں کی تصانیف
 سے ایسے اقوال پیش کروں گا جو اہل سنت کے معتقدات کے خلاف ہیں، لیکن ان
 صوفیوں نے سبائیت اور باطنیت سے متاثر ہو کر ان کو قبول کر لیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ
 خود بھی گمراہ ہو گئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیا۔

ان صوفیوں کی کمزوری یہ تھی کہ یہ لوگ نہ محدث تھے نہ مؤرخ تھے۔ اس پر مستزاد
 یہ امر ہوا کہ ان لوگوں کے نزدیک تحقیق و تدقیق و تنقیدی۔ یہ سب باتیں سوء ادب میں
 داخل ہو گئی تھیں۔ جنیدؒ کا تصوف یہ تھا کہ ”ہم ہر بات کو قرآن و سنت کی کسوٹی پر آزما
 کر دیکھیں گے، اگر کوئی بات کتاب و سنت کے خلاف ہوگی۔ فہو مردود“ خواہ وہ

(۲۳) خدا کا شکر ہے کہ ستر کے مبارک عدد پر حاطین باب خیبر کی تعداد کا اختتام ہو گیا۔ واضح ہو کہ سات چالیس
 اور ستر کا شدید اختلاف کسی وضاحت کا محتاج نہیں ہے۔

کسی کی زبان سے نکلی ہو۔ لیکن نویں صدی ہجری میں باطنیہ کی مساعی قبیحہ سے سنی صوفیوں کی ذہنیت یہ ہو گئی تھی کہ وہ قول کے حسن و فصیح کے بجائے قائل کو دیکھنے لگے تھے۔ مثلاً ایک روایت خواہ کتنی ہی خلاف عقل و نقل کیوں نہ ہو اگر وہ کسی بزرگ سے منسوب ہے تو محض اس سے نسبت کی وجہ سے قابل اعتماد قرار پا جائے گی اور اس میں تحقیق یا اس پر تنقید کو سوء ادب سمجھا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت کی کتابوں میں صدیوں سے غلط روایات نقل ہوتی چلی آ رہی ہیں اور آج کسی میں یہ اخلاقی ہمت نہیں ہے کہ انہیں غلط کہہ کر اپنی مرجعیت اور مقبولیت سے دست بردار ہو جائے۔

باطنیت

گمراہی کے دروازوں میں سب سے زیادہ خطرناک اور مضرت رساں دروازہ جو باطنیہ نے کھولا وہ یہ تھا کہ ہر لفظ کے ایک ظاہری معنی ہوتے ہیں اور ایک حقیقی یا باطنی۔ انہوں نے الفاظ کے اس باطنی پہلو پر اس قدر زور دیا کہ ان کا اصلی نام اسمعیلیہ غیر معروف ہو گیا اور وہ باطنیہ کے نام سے مشہور ہو گئے۔ بہر کیف انہوں نے کہا کہ اسی طرح وہ ظاہر کے بھی دو معنی ہیں، ایک ظاہری دوسرے باطنی اور ان کو آپس میں وہی نسبت ہے جو پوست (ظاہر) کو مغز سے ہے، جہلاء صرف ظواہر (ظاہری معنی) سے آگاہ ہیں، حقائق یا باطنی معانی کو صرف اہل اسرار جانتے ہیں۔ جو شخص ظواہر میں گرفتار ہے وہ شریعت کی پابندیوں میں جکڑا ہوا ہے اور دین کی نہایت نیچی سطح پر ہے، جو شخص اہل باطن کی صحبت میں رہ کر حقائق سے آشنا ہو جاتا ہے وہ شریعت کی پابندیوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کی اس آیت کا یہی مفہوم ہے ﴿وَبِضْعِ عَنْهُمْ اَصْرَهُمْ وَالْاَغْلَالِ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ (الاعراف: ۱۵۷) ”یعنی رسول اس بوجھ سے نجات دلاتا ہے جس کے تلے وہ (عوام) دبے ہوئے تھے اور وہ طوق اتارتا ہے جو ان کی گردنوں میں پڑے ہوئے تھے۔“

باطنیہ نے اپنی اس بنیادی تعلیم کو عوام کے سامنے صوفی بن کر پیش کیا۔ رفتہ رفتہ جاہل صوفیوں نے پہلے ظاہر اور باطن کی تفریق کا اصول اختیار کیا، پھر اس کے منطقی نتیجے کو بھی قبول کر لیا۔ یعنی انہوں نے شریعت اور طریقت میں تفریق کر دی اور کہنے لگے کہ شریعت کا حکم کچھ اور ہے اور طریقت کا حکم کچھ اور ہے۔ آخر کار انہوں نے باطنیہ کی اس تعلیم کو بھی تسلیم کر لیا کہ جب سالک کو معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو وہ قید شریعت سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اور اپنے اس باطل عقیدے پر اس آیت سے استدلال کیا ﴿وَاَعْبُدْ